صاحب تدبر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی کے اصول تفسیر کا علمی جائزہ

The Bases of interpretation in Tafseer Tadabbur e Qur'an construed

by Maulana Ameen Ahsan Islahi

(An academic review)

فرجاد علی[1]

Abstract

The title of my article is "The Bases of interpretation in Tadabbur e Qur'an construed by Maulana Ameen Ahsan Islahi. (An academic review)" Tadabbur e Quran is one of the most significant Quran exegeses expounded in the twentieth century Sub-continent by Maulana Ameen Ahsan Islahi. Being a student of Arabic I have always been interested in understanding the Word of God my own and in this discourse of interpretation the Quran exegeses are to play a key role. In this regard, the exegeses written by Muslim scholars of the Subcontinent are of immense importance particularly those written in Urdu. From amongst such great Urdu Quran exegeses Tadabbur is found highly influential and commendable in terms of its vast readership and linguistic significance. Maulana Islahi belongs to a different school of thought of the Muslim Sub-continent namely the Farahian School of the Quranic hermeneutics. As we know, the Farahian School, having no juristic brand, is rather purely a school of thought of Quranic hermeneutics which is well-known for its notion of Nazm al Quran – the view that the Quran is a thematic whole in which all of the Surahs are interlinked with each other in terms of their themes to make it a unit in terms of meanings.

Maulana Islahi, has no such juristic interest while interpreting a part of the Quran and so the whole process of interpretation remains only an academic issue of how to get to the objective meaning of that part of the Quran. This research article of mine I am going to highlight the bases of interpretation of The Holy Quran construed by Maulana Ameen Ahsan Islahi. In this process of research I have tried my level best to get to the objectivity of the meanings but it may have some mistakes, flaws and impediments and I ask Allah for forgiveness for all my drawbacks and sins. May Allah accept my efforts and endeavors ameen.

<u>Key words</u>: *Bases of interpretation, Tafseer Tadabbur e Qur'an, Maulana Ameen Ahsan Islahi.*

تدبر قرآن سابقہ صدی کے ایک جلیل القدر عالم دین مولانا امین احسن اصلاحی کی تصنیف ہے۔ یہ تفسیر 9 ضخیم مجلدات پر مشتمل ہے۔ اور اس کا شمار اردو زبان کی مفصل اور جامع تفاسیر میں ہوتا ہے۔ یہ تفسیر مولانا اصلاحی صاحب کے تقریباً نصف صدی کے مطالعہ و تحقیق کا نچوڑ ہے۔ اس تفسیر میں قرآن مجید کا مطالعہ ایک نئے زاویے سے کیا گیا ہے۔ جس کی بنیاد مولانا حمید الدین فراہی صاحب نے رکھی اور ان ہی

---

[1] ریسرچ اسکالر شعبہ عربی، جامعہ کراچی

اسس پر مولانا اصلاحی نے اس عمدہ و شاندار عمارت کی تشکیل کی جس نے قرآن کریم کے اس نئے پہلو کی جانب بھی لوگوں کی توجہ دلائی ہے جو ان سے پہلے بحث و مباحثہ کی حد تک تو تھا لیکن زد قلم کبھی نہ آیا تھا اور وہ تھا نظم قرآن مجید۔ یعنی قرآن مجید کوئی بے ربط و بے نظم کلام نہیں بلکہ اس کا اصل مفہوم ہی اس کے نظم میں چھپا ہے۔ اور فراہی صاحب اور اصلاحی صاحب نے قرآن کریم کے اسی روشن باب کو عیاں کیا ہے جس پر صدیوں سے پردے پڑے تھے اور صدیوں کی تاریخ میں شاذونادر ہی اس طرح کی علمی کاوش کی کہیں کوئی مکمل صورت نظر آتی ہے ہاں البتہ کہیں کہیں اس کی جھلک ضرور نظر آتی ہے جس کی ایک مثال برہان الدین بقاعی کی مشہور تفسیر نظم الدرر ہے لیکن وہ بھی نظم کلام کی گرہوں کو کھولنے میں اس قدر کامیاب نہ ہو سکے جو فراہی مکتبۂ فکر کے بانی حمید الدین فراہی صاحب اور پھر ان کے جانشین مولانا اصلاحی صاحب نے وا کیں۔ اور انکی تفسیر کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ جس طرح انہوں نے نظم قرآن کے باقاعدہ اصول وضوابط مرتب کر کے ایک ایک پہلو کا احاطہ کر کے ہر ایک پہلو کی وضاحت کی ہے وہ واقعتاً مستحق تحسین و داد ہے۔

مولانا اصلاحی صاحب تفسیر قرآن کے لیے جن ذرائع اور وسائل کا تذکرہ کرتے ہیں انکو سب سے پہلے وہ خارجی اور داخلی وسائل میں تقسیم کرتے ہیں۔

داخلی وسائل

1۔ قرآن مجید کی زبان:

قرآن مجید پر تفکر و تدبر کے لیے اصلاحی صاحب کے نزدیک جو سب سے پہلا ذریعہ ہے وہ ہے قرآن مجید کی زبان۔ اس میں دو رائے نہیں ہیں کہ کلام جو بھی ہو در حقیقت وہ اپنی زبان کے پردے میں ہوتا ہے اور اگر آپ نے اس کلام کے مفہوم کو سمجھنا ہے تو سب سے پہلے جس شے پر اپنی گرفت کرنی ہے وہ زبان ہی ہے۔ یعنی جب تک آپ اس زبان، اسکی تراکیب، اسکے اسالیب، اسکی بلاغت اور اسکی نزاکتوں کو نہیں سمجھتے اس وقت تک کسی عام کلام کے اصل مطالب کا ادراک ناممکن ہے کجایہ کہ آپ کلام ربانی پر طالع آزمائی کریں۔ یعنی اس بحرِ بے کراں میں غواصی کے لیے جس علم پر مہارت اور عبور لازم ہے وہ زبان ہی ہے۔ اور قرآن کی زبان بھی کوئی عام یا سطحی درجہ کی زبان نہیں بلکہ عربی زبان کی وہ معراج ہے کہ لاریب اس کی مثال پیش کرنا کسی جن وبشر کے لیے چہ اس ممکن نہیں اور جس پر قرآن مجید ببانگ دہل دعوی کرتا ہے۔

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (1)

ترجمہ: اور اگر تم اس (قرآن) کے بارے میں ذرا بھی شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اتارا ہے تو اس جیسی کوئی ایک سورت ہی بنا لاؤ۔ اور اگر سچے ہو تو اللہ کے سوا اپنے تمام مددگاروں کو بلا لو۔ (2)

یعنی تم وہ لوگ ہو جو اپنی زبان پر اس قدر قدرت وعبور رکھتے ہو کہ دوسروں کو عجم سمجھتے ہو۔ تو اگر ہمت ہے تو اس فصاحت وبلاغت کے عظیم مظہر کے مقابل اس جیسے نہ سہی اس کی مثال جیسا ہی کوئی کلام لے آؤ اور یہ نہیں کہ پوری کتاب ہی بناڈالو بلکہ کوئی مختصر ترین سورت لے آؤ اور جتنے چاہو اپنے حواری جمع کرلو اور چاہو تو اپنے جنات سے بھی مدد لے لو۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ اس کی جب جب کوشش کی گئی یہ واقعہ ہے کہ انسان کو منہ کی کھانی پڑی اور آج تک قرآن کریم اپنے اس دعوی کو لیے ہوئے ہے اور جن وانس اس کے سامنے شکست تسلیم کیے ہوئے بے بس سر جھکائے کھڑے ہیں۔

اور صرف اتنا ہی نہیں کہ آپ نے قرآن مجید پر بحث وتحقیق کے لیے صرف اس کی کوئی لغت کھولنی ہے یا اس زبان کے بنیادی علوم سیکھ لینے ہیں بلکہ اس کے لیے اس زبان کا عمدہ ذوق پیدا کرنا پڑے گا۔ مولانا اصلاحی صاحب خود اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

"اس درجے ومرتبے کے کلام کے زور واثر اور اس کی خوبیوں اور لطافتوں کا اگر کوئی شخص اندازہ کرنا چاہے تو یہ کام ظاہر ہے کہ وہ اس کے ترجموں، اس کی تفسیروں اور اس کی لغتوں کے ذریعے نہیں کر سکتا بلکہ اس کے لیے اس کو زبان کا ذوق پیدا کرنا پڑے گا جس میں وہ کلام ہے۔ کسی زبان کا ذوق پیدا کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لیے فطری رجحان، طبیعت اور لطافت ذوق کے ساتھ ساتھ اس زبان کی مشق وممارست ناگزیر ہے۔ برسوں کی محنت ومزاولت کے بعد کہیں آدمی میں کسی زبان کا ذوق پیدا ہوتا ہے اور اگر زبان اپنی مادری زبان نہ ہو تو یہ مشکل دوچند اور سہ چند ہو جاتی ہے۔"(3)

مولانا اصلاحی صاحب کے نزدیک خداوند کریم نے جس عربی زبان میں قرآن مجید نازل کیا ہے یہ وہ عربی نہیں جو پوری دنیا میں اس وقت بولی، سمجھی یا پڑھی پڑھائی جاتی ہے بلکہ یہ وہ زبان ہے جس میں قدیم عرب شعر کہتے یا خطبہ دیتے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

قرآن کریم جس زبان میں اترا ہے وہ نہ تو حریری ومتنبی کی زبان ہے نہ وہ مصر وشام کے اخبارات ورسائل کی بلکہ وہ اس ٹکسالی زبان میں ہے جو امرؤالقیس، عمرو بن کلثوم، زہیر اور لبید جیسے شعراء اور قس بن ساعدہ جیسے بلند پایا خطیبوں کے یہاں ملتی ہے۔ اس وجہ سے جو شخص قرآن کی زبان کے ایجاز واعجاز کا اندازہ کرنا چاہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ دور جاہلیت کے شعراء وادباء کے کلام کے محاسن و معایب کے سمجھنے کا ذوق پیدا کرے۔ اس کے بغیر کوئی شخص نہ تو یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ قرآن عربی زبان کے محاسن کا کیسا کامل نمونہ ہے اور نہ ہی سمجھ سکتا ہے کہ اس کے اندر وہ کیا سحر ہے جس نے تمام فصیحوں اور بلیغوں کو ہمیشہ کے لیے عاجز ودرماندہ کر دیا۔(4)

اور میرے نزدیک بھی مولانا اصلاحی کی یہ بات بالکل صحیح ہے کیونکہ زبان بھی بقیہ تمام علوم کی طرح ارتقاء پذیر ہوتی ہے۔ اور اس سفر ارتقاء میں کبھی کبھی اس کے اپنے اصل مفہوم ومعانی ہی مفقود ہو جاتے ہیں۔ اور اسے پھر اگر اپنے حاضر میں مستعمل الفاظ سے بدلا جائے تو معنی کہاں سے کہاں چلے جاتے ہیں۔ جسکی آسان مثال سورہ مائدہ کی آیت 35 اور سورہ یوسف کی آیت 19 میں ہے جہاں ارشاد ربانی ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (5)

ترجمہ:

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس تک پہنچنے کے لیے وسیلہ تلاش کرو اور اس کے راستے میں جہاد کرو امید ہے کہ تمہیں فلاح حاصل ہو گی۔

وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَى دَلْوَهُ قَالَ يَابُشْرَى هَذَا غُلَامٌ وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَةً وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ (6)

ترجمہ:

اور (دوسری طرف جس جگہ انہوں نے یوسف کو کنویں میں ڈالا تھا، وہاں) ایک قافلہ آیا۔ قافلے کے لوگوں نے ایک آدمی پانی لانے کے لیے بھیجا، اور اس نے اپنا ڈول (کنویں میں) ڈالا تو (وہاں یوسف (علیہ السلام) کو دیکھ کر) پکار اٹھا: لو خوشخبری سنو! یہ تو ایک لڑکا ہے۔ اور قافلے والوں نے انہیں ایک تجارت کا مال سمجھ کر چھپالیا، اور جو کچھ وہ کر رہے تھے، اللہ کو اس کا پورا علم تھا۔

یعنی یہاں اگر "وسیلہ" کے معنی "ذریعہ" اور "سیارۃ" کے معنی جدید عربی کے مطابق "گاڑی" کے کر دیے جائیں تو نہ صرف قرآن کریم بہتان کی زد میں آجائیگا بلکہ لوگوں کے لیے قرآن میں اپنی مرضی کے معنی نکالنا بھی سہل ہو جائیگا۔ جیسا کہ دور حاضر میں کچھ افراد نے قرآنی الفاظ کے اسطرح کے معانی تراش کر قرآنی مفہوم کو اپنی طرز فکر میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً غلام احمد پرویز اپنی کتاب لغات القرآن میں "جن" اور "طیر" کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"جن سے مراد انسان ہی ہیں یعنی وہ وحشی قبائل جو جنگلوں اور صحراؤں میں رہا کرتے تھے۔"(7)

جبکہ "طیر" کے معنی یوں بیان کرتے ہیں۔

"سورۃ النمل میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر جن، انس اور طیر پر مشتمل تھے۔ جن سے مراد وحشی قبائل ہیں۔ انس سے مراد مہذب آبادیاں اور طیر تیز رفتار گھوڑے۔"(8)

اور محض یہی نہیں بلکہ اور بھی اسی طرح کی دوسری بے شمار بے محل اور بے معنی تحقیقات سے قرآن کریم کے مفہوم میں بدعت و ضلالت شامل کر دیتے ہیں۔

اسی حوالے سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔

" أيها الناس عليكم بديوانكم لا تضلوا. قالوا: وما ديواننا؟ قال: شعر الجاهلية، فإن فيه تفسير كتابكم ومعاني كلامكم" (9)

ترجمہ: اے لوگوں تم پر لازم ہے کہ اپنے دیوان سے جڑے رہو کہ ضلالت میں نہ پڑ جاؤ۔
لوگوں نے کہا: ہمارے دیوان سے کیا مراد ہے؟
آپ نے فرمایا: عصر جاہلی کی شاعری۔ بے شک اسی میں تمہاری کتاب (قرآن مجید) کی تفسیر اور تمہارے کلام کے معانی ہیں۔
اسی لیے مولانا اصلاحی صاحب کا کہنا بجا ہے کہ طالبین قرآن کریم کو قرآن کریم کے مدعا کی تعیین کے لیے عربی زبان کے اسی مزاج کو سمجھ کر اپنے ذوق کو صیقل کرنا چاہیے جس میں قرآن کریم کا نزول ہوا ہے۔
اس کے علاوہ مولانا اصلاحی صاحب کے نزدیک نہ صرف معانیٔ الفاظ قرآنی کا حقیقی ادراک ناگزیر ہے بلکہ عربی زبان کے محاورے (10) واستعارے (11)، تشبیہات (12) و کنایات (13) اور اس معاشرے کے معروف و منکر پر بھی غائرانہ نظر رکھنی چاہیے اور اس کا حقیقی ادراک قلب و خرد میں جاں گزیں ہونا چاہیے تاکہ ان سے استنباط و تفہیم میں کوئی غلطی نہ لگے۔

2۔ نظم قرآن مجید:

مولانا اصلاحی صاحب کے نزدیک داخلی وسائل میں جو دوسرا اہم وسیلہ قرآن مجید کی تفسیر میں بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے وہ ہے نظم قرآن مجید۔ اور بلاشبہ یہی وہ سب سے بنیادی فرق ہے جو انہیں دوسرے مفسرین اور تفسیر تدبر قرآن کو دوسری تمام تفسیر سے ممتاز کرتا ہے۔
مولانا اصلاحی صاحب کے مطابق قرآن کریم کا اصل مفہوم اس کے نظم میں پوشیدہ ہے اور اسی کی گہرائیوں میں اتر کر معانی و مفاہیم کے ان اصل موتیوں کو حاصل کیا جاسکتا ہے جو قرآن مجید کے حقیقی بیان کو زیادہ عمدگی سے روشن کر سکتا ہے۔
چنانچہ مولانا اصلاحی صاحب لکھتے ہیں۔
"نظم کلام کسی کلام کا ایسا جزو لاینفک ہوتا ہے کہ اس کے بغیر کسی عمدہ کلام کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا، لیکن یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ قرآن جس کو فصاحت و بلاغت کا معجزہ قرار دیا جاتا ہے اور جو فی الواقع معجزہ ہے بھی ایک بہت بڑے گروہ کے نزدیک نظم سے بالکل خالی کتاب ہے۔ ان کے نزدیک نہ ایک سورہ کا دوسری سورہ سے کوئی ربط و تعلق ہے، نہ ایک سورہ کی مختلف آیات ہی میں باہم کوئی مناسبت و موافقت ہے۔ بس مختلف آیات، مختلف سورتوں میں بغیر کسی مناسبت کے جمع کر دی گئی ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ ایسا فضول خیال ایک ایسی عظیم کتاب کے متعلق لوگوں کے اندر کس طرح جاگزیں ہوگیا ہے جس کے متعلق دوست و دشمن دونوں ہی کو اعتراف ہے کہ اس نے دنیا میں ہلچل پیدا کر دی، اذہان و قلوب بدل ڈالے فکر و عمل کی نئی بنیادیں استوار کیں اور انسانیت کو ایک نیا جلوہ دیا۔ (14)
یعنی مولانا صاحب کی نظر میں قرآن مجید کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے سب سے پہلے اس کی ترتیب اور نظم کلام کو سمجھنا ناگزیر ہے۔ اور انکے مطابق اگر قرآن مجید کی اس ترتیب میں نظم کو نہ تسلیم کیا جائے تو مناسب ترین تھا کہ پھر اس کی ترتیب کو یا تو ترتیب نزولی کے مطابق ہونا چاہیے تھا یا سورتوں کی مقدار یا چھوٹی بڑی ہونے کے حساب سے مرتب کر دیا جاتا۔ لیکن اس میں دو رائے نہیں ہیں اور یہ

متفق علیہ ہے یہ قرآن مجید کی مصحف کی ترتیب اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی جانب سے متعین ہے اور اس میں کسی ردو بدل کی کوئی گنجائش نہیں اس لیے اس بات کو ماننا پڑے کہ واقعتا اس کی ترتیب میں ہی حقیقی مفہوم مخفی ہے۔

مولانا اصلاحی صاحب اپنی اس رائے میں کوئی تنہا اہل علم نہیں نہ ہی یہ ان کی انفرادی رائے ہے بلکہ تاریخ کے اوراق میں ایسے کئی اہل علم کے نام ملتے ہیں جو اس رائے کے قائل ہیں اور نہ صرف قائل ہیں بلکہ چند کتب بھی اس حوالے سے مدون موجود ہیں۔

جو اہل علم اس کے قائل رہے ہیں ان میں علامہ سیوطی، علامہ ابو جعفر بن زبیر، جلیل القدر مفسر امام رازی، برہان الدین بقاعی، علامہ ولی الدین ملوی اور علامہ مخدوم مہائمی بھی ہیں۔ ان تمام افراد اور انکی قلمی کاوش کے حوالے مولانا اصلاحی صاحب نے خود اپنی تفسیر کے مقدمے میں درج کر دیئے ہیں۔

علامہ ابو جعفر بن زبیر نے اس موضوع پر باقاعدہ کتاب البرحان فی تناسب سور القرآن تصنیف کی۔ اس کے علاوہ علامہ برہان الدین بقاعی نے بھی نظم قرآن کی روشنی میں ہی اپنی تفسیر نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور تصنیف کی۔ اس کے علاوہ محمود السید شیخون نے بھی اس موضوع پر ایک کتاب الاعجاز فی نظم القرآن تالیف کی ہے اور خلیل الرحمن چشتی صاحب کی بھی ایک کتاب قرآنی سورتوں کا نظم جلی اسی موضوع پر ہے۔

اس کے علاوہ حافظ مبشر حسین لاہوری اپنے مقالے "تفسیر میں نظم قرآن کی استدلالی حیثیت، اصول تفسیر کی روشنی میں ایک جائزہ" میں اسلاف کے قلم سے چند اقتباسات لکھتے ہیں۔

"امام سیوطی خود بھی اس کے قائل تھے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

وكتابى الذى صنعته فى اسرار التنزيل كافل بذلك جامع لمناسبات السور والآيات مع ماتضمنه من بيان وجوه الاعجاز واساليب البلاغة وقد لخصت منه مناسبات السور خاصة فى جزء لطيف سميته: تناسق الدرر فى تناسب السور.

میری وہ کتاب جسے میں نے قرآن مجید کے اسرار و رموز کے حوالے سے مرتب کیا وہ اس سلسلہ میں مددگار ہے، اس میں آیتوں اور سورتوں کے باہمی ربط و نظم کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کے وجوہ اعجاز اور اسالیب بلاغت کو بھی نمایاں کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں سے سورتوں کے باہمی نظم کے حصہ کی تلخیص کر کے میں نے اسے الگ ایک کتاب کی شکل میں مرتب کر دیا ہے اور اس کا نام میں نے یہ رکھا ہے: تناسق الدرر فی تناسب السور۔

اسی طرح شیخ ابو الحسن الشہرابانی فرماتے ہیں:

اول من اظہر ببغداد علم المناسبة ولم نكن سمعناه من غيره هو الشيخ الامام ابو بكر النيسابوری وكان غزير العلم فی الشريعة والادب وكان يقول علی الكرسی اذاقرئ عليه الآية : لم جعلت هذه الآية الی جنب هذه؟ وما الحكمة فی جعل هذه السورة الی جنب هذه السورة؟ وكان يزری علی علماء بغداد لعدم علمهم بالمناسبة.

پہلے شخص جنہوں نے بغداد میں علم مناسبت (نظم) کو ظاہر کیا وہ ابو بکر نیشاپوری ہیں۔ فقہ وادب میں ان کا بڑا رتبہ تھا۔ ان کے لیے منبر رکھا جاتا جس پر بیٹھ کر وہ قرآن کی آیتوں کی شرح کرتے اور بتاتے کہ فلاں آیت فلاں آیت کے پہلو میں کیوں رکھی گئی اور فلاں سورت کے فلاں سورت کے ساتھ رکھنے میں کیا حکمت ہے اور علمائے بغداد کی تنقیص کرتے کہ یہ لوگ نظم کے علم سے بالکل محروم ہیں۔"(15)

امام فراہی اس حوالے سے اسلاف کے اقتباسات نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"امام سیوطی نے ابن عربی کا مندرجہ ذیل قول نقل کیا ہے۔

آیات قرآن کے باہمی تعلق کو اس طرح سمجھنا کہ وہ ایک مسلسل اور مربوط کلام کے قالب میں ڈھل جائیں، ایک عظیم الشان علم ہے۔ صرف ایک عالم نے اس علم سے تعرض کیا ہے۔ اسی اصول پر اس نے پوری سورۂ بقرہ کو منظم کر دیا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے ہم پر یہ دروازہ کھولا۔ لیکن ہم نے لوگوں کے اندر اس علم کے قدردان نہیں پائے، ساری دنیا دوں ہمتوں اور کاہلوں سے بھری ہوئی ہے پس ہم نے اس کو مہر بند ہی رکھا اور اپنے اور اپنے خدا کے درمیان کے اس معاملہ کو اسی کی طرف لوٹا دیا۔"(16)

اس کے علاوہ شیخ ملوی کے حوالے سے قول نقل کرتے ہیں۔

"شیخ ولی الدین ملوی نے کہا ہے۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیتوں میں اس لیے نظم تلاش نہیں کرنا چاہیے کہ وہ مختلف وقتوں میں مختلف حالات کے ماتحت نازل ہوئی ہیں، وہ غلط کہتے ہیں، ٹھیک بات یہ ہے کہ وہ نزول کے پہلو سے تو واقعات کے لحاظ سے ہیں لیکن ترتیب کے پہلو سے بالکل مطابق حکمت ہیں۔"(17)

گویا مولانا اصلاحی صاحب اس راہ کے تنہا مسافر نہیں بلکہ ان جیسے کئی علماء نے اپنے اپنے ادوار میں نظم کلام کی ان گتھیوں کو سلجھانے میں محنت اور عقل صرف کی ہے۔ لیکن اس گرہ کو کھولنے میں مکمل طور پر کسی کو کامیابی مل نہ سکی۔ مولانا کے مطابق اس سلسلے کی سب سے پہلی کامیاب کوشش ان کے استاد محترم علامہ حمید الدین فراہی کے نصیب میں آئی۔ اور انہوں نے اسی موضوع پر ایک رسالہ "دلائل النظام" لکھا جس میں انہوں نے نظم قرآن کے نہایت قوی دلائل نہایت عمدہ اسالیب و الفاظ کے ساتھ نہایت دلکش پیرایے میں رقم کر دیے ہیں جس پر انکے قلم نے واقعی خوب اجر کمایا ہوگا۔ گو کہ دعوت اجل نے انہیں اتنا موقع تو نہ دیا کہ ان ہی اصولوں کی روشنی میں

وہ پوری تفسیر لکھ پاتے لیکن کچھ سورتیں ضرور ان کے قلم سے قرطاس پر منتقل ہوئیں اور ان کے اسی کار نامکمل کو جاری رکھتے ہوئے ان کے شاگرد مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے ان ہی اساسوں پر بالآخر تفسیر قرآن مجید کی تکمیل کر دی۔

اس کے علاوہ مولانا اصلاحی صاحب نہ صرف نظم قرآن کی حقیقت بیان کی بلکہ اس کے حوالے سے تمام دلائل اور کسی کے ذہن میں اٹھنے والے سوالوں کے جوابات بھی اپنی تفسیر کے مقدمے میں درج کر دیئے ہیں۔ چونکہ میرا مقصد اس وقت نظم قرآن پر بحث و تنقید کا نہیں اس لیے صرف حوالے ہی دے رہا ہوں اگر کسی کو دلچسپی ہو تو تفسیر تدبر قرآن کے مقدمے اور مولانا حمید الدین فراہی صاحب کے رسالے کا مطالعہ کر سکتا ہے۔

اب اس نظم کی مصحفی ترتیب پر نگاہ ڈالی جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ مولانا اصلاحی صاحب نے تمام 114 سورتوں کو سات گروپس میں تقسیم کیا ہے۔ ہر گروپ کی ابتداء مکی سورتوں سے ہوتی ہے جو کبھی ایک ہوتی ہے یا کبھی ایک سے زائد اور ہر گروپ کا اختتام مدنی سورتوں پر ہوتا ہے اور یہ سورتیں بھی کبھی ایک ہوتی ہے تو کبھی ایک سے زیادہ۔

چنانچہ خود لکھتے ہیں۔

پہلا گروپ فاتحہ سے شروع ہوتا ہے، مائدہ پر ختم ہوتا ہے۔ اس گروپ میں فاتحہ مکی ہے اور باقی چار مدنی ہیں۔

دوسرا گروپ انعام اور اعراف دو مکی سورتوں سے شروع ہوتا ہے اور انفال اور توبہ دو مدنی سورتوں پر ختم ہوتا ہے۔

تیسرے گروپ میں پہلے 14 سورتیں یونس تا مومنون مکی ہیں۔ آخر میں سورہ نور ہے جو مدنی ہے۔ اس گروپ کی دو سورتوں رعد اور حج کو بعض لوگوں نے مدنیات میں شمار کیا ہے لیکن یہ خیال غلط ہے۔ اس مسئلے پر ہم مذکورہ سورتوں کی تفسیر میں بحث کریں گے۔

چوتھا گروپ فرقان سے شروع ہوتا ہے احزاب پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں 8 سورتیں مکی ہیں۔ آخر میں ایک احزاب مدنی ہے۔

پانچواں گروپ سبا سے شروع ہوتا ہے۔ حجرات پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں 13 سورتیں مکی ہیں اور آخری تین مدنی ہیں۔

چھٹا گروپ ق سے شروع ہو کر تحریم پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں پہلے سات مکی ہیں اور اس کے بعد دس مدنی۔ اس گروپ میں بعض لوگوں نے سورہ رحمان کو مدنی قرار دیا ہے لیکن ہم سورہ کی تفسیر میں واضح کریں گے کہ یہ خیال بے بنیاد ہے۔

ساتواں گروپ ملک سے شروع ہو کر الناس پر ختم ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک اس میں بھی مکیات اور مدنیات کی ترتیب اسی طرح ہے جس طرح دوسرے گروپوں میں ہے لیکن اس کی سورہ دہر اور آخری بعض سورتوں کے بارے میں چونکہ اختلافات ہیں اس وجہ سے ہم ان سورتوں کی تفسیر ہی میں بحث کریں گے۔ (18)

یعنی انہوں نے قرآن مجید کی مکی مدنی سورتوں کو سات بڑے گروپس میں تقسیم کرنے کے بعد اگر کہیں کسی سورہ کے بارے میں اشکال یا اختلاف ہے کہ وہ مکی ہے یا مدنی تو اسے انہی سورتوں کی ابتداء میں اسے زیر بحث لا کر دلائل کے ساتھ بیان کر دیا۔

مولانا اصلاحی صاحب کی اس تقسیم کے جو بنیادی خصائص ہیں یا جن بنیادوں پر وہ گروپ بنائے گئے ہیں ان میں جو سب سے پہلی خصوصیت ہے وہ یہ ہے کہ ان کے مطابق ہر سورہ کا اپنا ایک عمود ہوتا جس سے سورہ کے تمام اجزائے کلام جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور ایک جامع عمود پورے گروپ کا احاطہ کیے ہوئے ہوتی ہے یعنی ان گروپ کی تقسیم بے بنیاد نہیں بلکہ اس تقسیم کی بنیادیں متعین ہیں۔ اور اس کے ذریعے پورے گروپ کا عمود نمایاں ہو جاتا ہے۔ مولانا اصلاحی صاحب خود لکھتے ہیں۔

"کسی گروپ میں قانون و شریعت کا رنگ غالب ہوتا ہے، کسی میں ملت ابراہیم علیہ السلام کی تاریخ اور اس کے اصول و فروع کا۔ کسی میں کشمکش حق و باطل اور اس کے بارے میں سنن الہیہ کے بیان کا حصہ نمایاں ہے، کسی میں نبوت و رسالت اور اس کے خصائص و امتیازات کا۔ کسی میں توحید اور اس کے لوازم و مقتضیات ابھرے ہوئے نظر آئیں گے۔ کسی میں بعث، حشر و نشر اور اس کے متعلقات۔ آخری گروپ منذرات کا ہے جو بیشتر ان مکی سورتوں پر مشتمل ہے جو جھنجوڑنے اور جگانے والی ہیں اور جنہوں نے پورے عرب میں ہلچل مچادی۔"(19)

اس تقسیم میں مکی اور مدنی دونوں طرح کی سورتیں ہونے باوجود کوئی سورہ بھی اپنے گروپ کے عمود سے باہر نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ مولانا اصلاحی کے مطابق سورتیں جوڑا جوڑا ہیں۔ سورۃ البقرۃ و آل عمران، الاعلیٰ و الغاشیہ، الضحیٰ والانشراح اور معوذتین اس کی عام مثالیں ہیں۔ جبکہ سورۃ الفاتحہ اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ یہ اس کی حیثیت قرآن کریم کے دیباچہ کی ہے۔ اور اس میں چونکہ پورے قرآن کا خلاصہ ہے اور اس سورہ میں پورے قرآن کے موضوع کا تعارف کروا دیا گیا ہے اور یہ سورہ اپنے موضوع کا مکمل طور پر احاطہ کر لیتی ہے اس لیے اسے کسی دوسرے سورہ کے تکملہ کی حاجت نہیں اور یہ واقعتاً اپنے اس پہلو سے بھی "الکافیہ" کہلائی جا سکتی ہے۔

مولانا اصلاحی صاحب کے مطابق بعض سورتیں ایسی بھی ہیں جو جوڑا جوڑا نہیں بلکہ اپنی ماسبق سورہ میں موجود کسی خاص پہلو کی وضاحت کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ ہر گروپ میں دعوت دین کے ابتداء سے انتہا تک تمام ادوار بھی مختلف پہلوؤں سے عیاں ہو جاتے ہیں۔ پہلا گروپ قانون و شریعت کا جبکہ آخری منذرات کا گروپ ہے۔ جس کا مقصد مولانا اصلاحی صاحب اپنے قلم سے یوں لکھتے ہیں۔

"یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انذار سے مقصود در حقیقت لوگوں کو غلط راہ سے موڑ کر صحیح راہ پر لگانا ہے اور صحیح راہ شریعت کی راہ ہے اس وجہ سے جو چیز غایت و مقصود کی حیثیت رکھتی ہے اس پر سب سے پہلے نگاہ پڑنی چاہیے۔ امت کو بحیثیت امت مسلمہ جو دولت عطا ہوئی ہے وہ در حقیقت شریعت ہی ہے جو اہل کتاب سے اس امت کو منتقل ہوئی اس وجہ سے پہلے گروپ میں اہل کتاب کی معزولی بھی بیان ہوئی اور شریعت اسلامی کی تفصیل بھی۔ غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ قرآن کے پہلے گروپ اور اس کے آخری گروپ میں وہی نسبت ہے جو نسبت ایک عمارت اور اسکی بنیاد میں ہوتی ہے جہاں تک تعمیر کا تعلق ہے تعمیر سے پہلے بنیاد ہوتی ہے لیکن عمارت بن چکنے کے بعد سامنے جو چیز آتی ہے وہ عمارت ہوتی ہے، بنیاد نیچے ہو جاتی ہے۔"(20)

3۔ تفسیر القرآن بالقرآن:

اس کے علاوہ جو فہم قرآن کریم کا آخری داخلی ذریعہ بیان کرتے ہیں وہ تفسیر القرآن بالقرآن ہے۔ یعنی قرآن اپنے خاص اسلوب کے مطابق ایک مقام پر ایک بات بالاجمال بیان کر دیتا ہے پھر اسی موضوع کو کسی دوسرے مقام پر پوری طرح واضح کر دیتا ہے اور اسکے حوالے سے اٹھنے والے تمام سوالات کا تشفی جواب بھی دے دیتا ہے۔ اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں کسی بھی قسم کا تکرار بھی بے وجہ نہیں بلکہ خداوند تعالیٰ اگر کسی بات کا تکرار بھی کرتا تو اسی بات کے کسی اور پہلو کی وضاحت کے ضمن میں کرتا ہے نہ کہ وہ کوئی تکرار محض ہوتی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

"اگر آپ قرآن کی تلاوت کیجیے تو آپ محسوس کریں گے کہ ایک مضمون مختلف سورتوں میں بار بار سامنے آتا ہے۔ ایک مبتدی یہ دیکھ کر خیال کرتا ہے کہ یہ ایک ہی مضمون کی تکرار ہے لیکن قرآن پر تدبر کرنے والے جانتے ہیں کہ قرآن تکرار محض سے بالکل پاک ہے۔ اس میں ایک بات جو بار بار آتی ہے بعینہ ایک ہی پیش و عقب اور ایک ہی قسم کے لواحق اور تضمنات کے ساتھ نہیں آتی بلکہ ہر جگہ اس کے اطراف و جوانب اور اس کے تعلقات و روابط بدلے ہوئے ہوتے ہیں۔ مقام کی مناسبت سے اس میں مناسب حال تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ ایک مقام میں ایک پہلو مخفی ہوتا ہے دوسرے مقام میں وہ واضح ہو جاتا ہے۔ ایک جگہ اس کا اصل رخ غیر معین ہوتا ہے، دوسرے سیاق و سباق میں وہ رخ بالکل معین ہو جاتا ہے بلکہ میرا ذاتی تجربہ اور مدتوں کا تجربہ تو یہ ہے کہ ایک ہی لفظ ایک آیت میں بالکل مبہم نظر آتا ہے دوسری آیت میں وہ بالکل بے نقاب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایک جگہ ایک بات کی دلیل سمجھ میں نہیں آتی لیکن دوسری جگہ وہ بالکل آفتاب کی طرح روشن نظر آتی ہے۔

قرآن کا یہ اسلوب ظاہر ہے کہ اسی مقصد کے لیے ہے کہ اس کی ہر بات طالب کے ذہن نشین ہو جائے چنانچہ میں بطور تحدیث نعمت کے یہ عرض کرتا ہوں کہ مجھ پر قرآن کی مشکلات جتنی خود قرآن سے واضح ہوئی ہیں دوسری کسی بھی چیز سے واضح نہیں ہوئی ہیں۔"(21)

تفسیر قرآن بالقرآن کے حوالے سے مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب لکھتے ہیں۔

علم تفسیر کا پہلا ماخذ خود قرآن کریم ہے، چنانچہ ایسا بہ کثرت ہوتا ہے کہ کسی آیت میں کوئی بات مجمل اور تشریح طلب ہوتی ہے تو خود قرآن کریم ہی کی کوئی دوسری آیت اس کے مفہوم کو واضح کر دیتی ہے مثلاً سورۃ الفاتحہ کی دعا میں یہ جملہ موجود ہے کہ " **صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ** " یعنی ہمیں ان لوگوں کے راستہ کی ہدایت کیجیے جن پر آپ کا انعام ہوا۔ اب یہاں یہ واضح نہیں ہے کہ وہ لوگ کون ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے لیکن دوسری آیت میں انکو واضح طور سے متعین کر دیا گیا ہے۔

فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ

"یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالح لوگ۔(22)

خارجی وسائل

اس کے علاوہ مولانا صاحب جن خارجی وسائل کو فہم قرآن میں معاون سمجھتے ہیں ان میں سنت متواترہ و مشہورہ، احادیث و آثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، شان نزول، کتب تفسیر، قدیم آسمانی صحف اور تاریخ عرب شامل ہیں۔

1۔ سنت متواترہ:

تعریف:

فالسنة المتواترة هي: أقوال النبي صلى الله عليه وسلم وأفعاله وتقريراته التي وردت إلينا مستوفية شروط التواتر من حيث سندها.(23)

ترجمہ: سنت متواترہ سے مراد نبی کریم ﷺ سے وارد کردہ وہ اقوال وافعال اور تقریرات ہیں جو اپنی سند کے اعتبار سے ہم تک تواتر کے ساتھ پہنچیں۔

سنت متواترہ کے حوالے سے انکی رائے عام علماء سے مختلف نہیں اور وہ اسکو وہی حیثیت دیتے ہیں جو اسلاف نے متعین کر دی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

"جہاں تک قرآن مجید کی اصطلاحات کا تعلق ہے، مثلاً صلوۃ، زکوۃ، صوم، حج، عمرہ، قربانی، مسجد حرام، صفا، مروہ، سعی، طواف وغیرہ، انکی تفسیر میں نے سو فیصد سنت متواترہ کی روشنی میں کی ہے، اس لیے کہ قرآن مجید اور شریعت کی اصطلاحات کا مفہوم بیان کرنے کا حق صرف صاحب وحی محمد رسول اللہ کو ہی ہے۔ آپ جس طرح اس کتاب لانے والے تھے اسی طرح اس کے معلم اور مبین بھی تھے اور یہ تعلیم و تبیین آپ کے فریضۂ رسالت کی کا ایک حصہ تھی۔ اب سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ یہ بات قطعیت کے ساتھ معلوم ہو کہ فلاں اصطلاح کا یہ مطلب خود آنحضرت ﷺ نے بتایا ہے۔ سو جہاں تک معروف دینی اصطلاحات کا تعلق ہے یہ سوال کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا اس لیے کہ اس قسم کی ساری اصطلاحات کا حقیقی مفہوم بالکل عملی شکل میں سنت متواترہ کے اندر محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اور یہ سنت متواترہ بعینہ انہی قطعی ذرائع سے ثابت ہے جن سے قرآن مجید ثابت ہے۔ امت کے جس تواتر نے قرآن کریم کو ہم تک منتقل کیا ہے اسی تواتر نے دین کی تمام اصطلاحات کا عملی مفہوم بھی ہم تک منتقل کیا ہے۔ اگر فرق ہے تو یہ ہے کہ ایک چیز قولی تواتر سے منتقل ہوئی ہے، دوسری چیز عملی تواتر سے۔ اس وجہ سے اگر قرآن مجید کو ماننا ہم سب پر واجب ہے تو ان ساری اصطلاحات کی اس عملی صورت کو ماننا بھی واجب ہے جو سلف سے خلف تک بالتواتر منتقل ہوئی ہے انکی صورت میں اگر کوئی جزوی قسم کا اختلاف ہے تو اس اختلاف کی دین میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ پانچ وقت کی نمازیں سب جانتے اور مانتے ہیں اور اسی قطعیت کے ساتھ جانتے اور مانتے ہیں جس قطعیت کے ساتھ

قرآن کو جانتے اور مانتے ہیں، رہا بعض جزوی امور میں کوئی فرق تو یہ فرق کوئی اہمیت نہیں رکھنے والی شے نہیں ہے۔ اس طرح کے معاملات میں دلائل کی روشنی میں جس پہلو پر بھی جس کا اطمینان ہو اس کو اختیار کر سکتا ہے۔(24)

2۔احادیث و آثار صحابہ رضی اللہ عنہم:

احادیث و آثار کے رد و قبول کے حوالے سے مولانا کی رائے جزء میں مختلف ہے۔یعنی مولانا احادیث صحیحہ کو قطعی حجت تو تسلیم کرتے ہیں لیکن اس کے معیار میں ایک جگہ یہ اختلاف کرتے ہیں کہ اگر کوئی حدیث یا آثار محدثین کی تحقیق کی مطابق صحت کے تمام معیارات پر پوری اترتی ہے لیکن اگر ان کے مطابق نظم قرآن کریم سے متصادم ہے اور دونوں کے مابین موافقت کی کوئی صورت نہیں تو وہ اسے آیت قرآنی کی روشنی میں رد کر دیتے ہیں۔ لیکن خود ان کے مطابق ایسا بہت کم ہوا کہ کسی صحیح حدیث کو قبول نہ کیا گیا ہو۔

چنانچہ مولانا اصلاحی صاحب خود لکھتے ہیں۔

"تفسیر کے ظنی ماخذوں میں سب سے اشرف اور سب سے زیادہ پاکیزہ چیز ذخیرۂ احادیث و آثار ہے اگر ان کی صحت کی طرف سے پورا پورا اطمینان ہوتا تو تفسیر میں ان کی وہی اہمیت ہوتی جو اہمیت سنت متواترہ کی بیان ہوئی۔ لیکن ان کی صحت پر اس طرح کا اطمینان چونکہ نہیں کیا جا سکتا اس وجہ سے ان سے اسی حد تک فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے جس حد تک ان قطعی اصولوں سے موافق ہیں جو اوپر بیان ہوئے ہیں ۔جو لوگ احادیث و آثار کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ ان کو خود قرآن پر بھی حاکم بنا دیتے ہیں وہ نہ تو قرآن کا درجہ پہچانتے ہیں نہ حدیث کا۔ برعکس اس کے جو لوگ احادیث و آثار کو سرے سے حجت ہی نہیں مانتے وہ اپنے آپ کو اس روشنی سے محروم کر لیتے ہیں جو قرآن کے بعد سب سے زیادہ قیمتی روشنی ہے۔ میں احادیث کو تمام تر قرآن ہی سے ماخوذ و مستنبط سمجھتا ہوں اس وجہ سے میں نے صرف انہی احادیث تک استفادے کو محدود نہیں رکھا ہے جو قرآن کی کسی آیت کے تعلق کی صراحت کے ساتھ وارد ہوئی ہیں بلکہ پورے ذخیرۂ احادیث سے اپنے امکان کی حد تک فائدہ اٹھایا ہے۔ خاص طور پر حکمت قرآن کے مسائل میں جو مدد مجھے احادیث سے ملی ہے وہ کسی بھی دوسری چیز سے نہیں ملی۔ اگر کوئی حدیث مجھے ایسی ملی ہے جو قرآن سے متصادم نظر آئی ہے تو میں نے اس پر ایک عرصے تک توقف کیا اور اسی صورت میں اس کو چھوڑا ہے جب مجھ پر یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی ہے کہ اس حدیث کو ماننے سے یا تو قرآن کی مخالفت لازم آتی ہے یا اس کی زد دین کے کسی اصول پر پڑتی ہے۔ جہاں تک صحیح احادیث کا تعلق ہے اس کی نوبت بہت کم آئی ہے کہ ان کی موافقت قرآن سے ہو ہی نہ سکے لیکن اگر کہیں ایسی صورت پیش آئی ہے تو وہاں میں نے بہر حال قرآن مجید کو ترجیح دی ہے اور اپنے وجوہ ترجیح تفصیل کے ساتھ بیان کر دیے ہیں۔"(25)

لیکن یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جس نے بھی مختلف تفاسیر کا مطالعہ کیا ہے اور اس کے بعد مولانا اصلاحی صاحب کے اس کام پر تحقیق کی ہے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مولانا اصلاحی صاحب کی نگاہ بالواسطہ تو احادیث کے ذخیرے پر محکم نظر آتی ہے لیکن عام

مفسرین کی طرز پر احادیث سے اسطرح کا استشہاد شاذ ہی دکھائی دیتا ہے جو ہمیشہ سے ہی مفسرین کے پیش نظر رہا ہے اور علماء کے نزدیک یہی ان کی تفسیر کی سب سے بڑی کمزوری گردانی جاتی ہے۔ کیونکہ احادیث نبوی ﷺ جو ہمیشہ سے قرآن کریم کی تفسیر کا خود قرآن کے بعد سب سے بڑا ماخذ تصور کیا جاتا ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ نبی کریم ﷺ ہی وہ واحد ہستی ہیں جن کی وساطت مطہرہ سے ہمیں یہ دین اور یہ قرآن مجید باذن ربی عطا ہوا ہے تو بجا ہو گا اس لیے اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ قرآن کریم کی کسی آیت کی تفسیر میں نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان عالیشان ہے تو اس کے آخری درجے کی حجت ہونے میں کسی سوال کی گنجائش نہیں اور اس کے مقابل اور کسی بات کی حیثیت کچھ بھی نہیں اس لیے اسی سے صرف نظر کر کے قرآن کے معانی ومطالب متعین کرنا بہر حال ایک جسارت اور امر محال ہے۔

3۔شانِ نزول:

شان نزول میں بھی مولانا اصلاحی کا مسلک عام مفسرین سے ہٹ کر ہے۔ اور اس میں بھی وہ اپنے استاد گرامی جناب حمید الدین فراہی کی ہی اقتداء کرتے ہیں۔ اپنے مقدمہ میں مولانا حمید الدین فراہی صاحب لکھتے ہیں۔

"شان نزول کا مطلب جیسا کہ بعض لوگوں نے غلطی سے سمجھا ہے، یہ نہیں ہے کہ وہ کسی آیت یا سورہ کے نزول کا سبب ہوتا ہے، بلکہ اس سے مراد لوگوں کی وہ حالت و کیفیت ہوتی ہے جس پر وہ کلام بر سر موقع حاوی ہوتا ہے۔ کوئی سورہ ایسی نہیں ہے جس میں کسی خاص امر یا چند خاص امور کو مد نظر رکھے بغیر کلام کیا گیا ہو، اور وہ امر یا امور جن کو کسی سورہ میں مد نظر رکھا جاتا ہے، اس سورہ کے مرکزی مضمون کے تحت ہوتے ہیں۔ لہذا اگر تم کو شان نزول معلوم کرنا ہو تو اس کو خود سورہ سے معلوم کرو کیونکہ کلام کا اپنے موقع و محل کے مناسب ہونا ضروری ہے۔ جس طرح ایک ماہر طبیب دوا کے نسخہ سے اس شخص کی بیماری معلوم کر سکتا ہے جس کے لیے نسخہ لکھا گیا ہے اسی طرح تم ہر سورہ سے اس سورہ کی شان نزول معلوم کر سکتے ہو۔ اگر کلام میں کوئی خاص موضوع پیش نظر ہے تو اس کلام اور اس موضوع میں وہی مناسبت ہو گی جو مناسبت لباس اور جسم میں بلکہ جلد اور بدن میں ہوتی ہے۔ اور یہ قطعی ہے کہ کلام کے تمام اجزاء باہم دگر مربوط و متصل ہوں گے۔ اور یہ جو روایتوں میں آتا ہے کہ فلاں فلاں آیتیں فلاں فلاں معاملات کے بارے میں نازل ہوئیں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ سورہ کے نزول کے وقت یہ یہ احوال و مسائل پیش تھے تاکہ معلوم ہو سکے کہ سورہ کے نزول کے لیے کیا محرکات اور اسباب موجود تھے۔"(26)

یعنی انکی رائے میں شان نزول سے مراد کسی آیت یا سورہ کے نزول کا سبب نہیں ہوتا بلکہ اس سے مراد لوگوں کے حالات و کیفیات ہوتے ہیں جس پر کلام کا نزول ہوتا ہے۔ اور چونکہ مولانا قرآن کی آیات و سور کی ترتیب کو نظم کلام میں بندھا سمجھتے ہیں چنانچہ تمام تر آیات اپنے سورہ اور گروپ کے بنیادی موضوع اور مطالب کی مناسبت سے اسکی تشریح و توضیح کرتے ہیں نہ کہ شان نزول کی اس تعریف کے مطابق جو عام مفسرین کا انداز ہے۔

4۔ کتب تفسیر:

جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے کہ مولانا اصلاحی صاحب کا طریقۂ تفسیر اس طرح تو نہیں جیسا کہ متقدمین کے یہاں ملتا ہے لیکن بہر حال انکے اپنے قول کے مطابق کتب تفسیر انکے زیر مطالعہ ضرور رہی ہیں خاص طور پر تفسیر طبری، تفسیر رازی اور تفسیر زمخشری الکشاف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"تفسیر کی کتابوں میں تین تفسیریں بالعموم میرے پیش نظر رہی ہیں۔ تفسیر ابن جریر، تفسیر رازی اور تفسیر زمخشری، اقوال سلف کا مجموعہ تفسیر ابن جریر ہے۔ متکلمین کی قیل و قال اور عقلی موشگافیاں تفسیر کبیر میں موجود ہیں، نحو و اعراب کے مسائل کشاف میں مل جاتے ہیں۔"(27)

ان تفاسیر کے علاوہ بھی مولانا کی نظر میں بقیہ تفاسیر رہی ہیں لیکن ان تمام تفاسیر سے استفادہ کی صورت بھی وہی ہوتی ہے کہ وہ صرف ان کے کسی بات کے بیان پر اس قول کو اپنی تفسیر میں جگہ نہیں دیتے بلکہ صرف اسی بات کو بیان کرتے ہیں جن سے انکے نظم قرآن کے اصولوں یا اس کے ذریعے بیان کردہ نتیجہ کی تائید ہوتی ہو وگرنہ اس کی تردید و مخالفت میں کوئی بات سامنے آجائے تو غور و فکر کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں تا آنکہ دونوں میں سے کسی ایک کی غلطی واضح ہو جائے۔

4۔ قدیم آسمانی صحیفے:

قرآن کریم کے علاوہ بھی خداوند کریم نے تمام سابقہ امتوں کے لیے مختلف صحف و کتب نازل کیں۔ لیکن وہ لوگ جن پر وہ کتب نازل ہوئی تھی انہوں نے ہی کلام ربانی میں تحریفات کر دیں ورنہ وہ کتب و صحف ہماری اسی قدر رہنمائی کرتیں جیسا کہ اسی رب کا آخری کلام قرآن کریم کرتا ہے۔ بہر حال مولانا کی تفسیر کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ مولانا کی قدیم صحائف پر بلا شبہ بہت گہری نگاہ ہے اور وہ نہ صرف ان آسمانی کتب سے کافی استفادہ کرتے ہیں بلکہ اہل کتاب پر حجت کے لیے بھی ان ہی کتب کو ماخذ بناتے ہیں۔ ان کتب سے استفادہ کی نوعیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

قرآن مجید میں جگہ جگہ قدیم آسمانی صحیفوں، تورات، زبور، انجیل کے حوالے ہیں۔ بہت سے مقامات پر انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام کی سرگزشتیں ہیں۔ بعض جگہ یہود اور نصاریٰ کی تحریفات کی تردید اور ان کی پیش کردہ تاریخ پر تنقید ہے۔ اس طرح کے مواقع میں میں نے ان روایات پر اعتماد نہیں کیا ہے جو ہماری تفسیر کی کتابوں میں منقول ہیں۔ یہ روایات زیادہ تر سنی سنائی باتوں پر مبنی ہیں اس وجہ سے نہ تو یہ اہل کتاب پر حجت ہو سکتی ہیں اور نہ ان سے خود اپنے ہی دل کے اندر اطمینان پیدا ہوتا ہے۔ ایسے مواقع پر میں نے بحث و تنقید کی بنیاد اصل ماخذوں یعنی تورات اور انجیل پر رکھی ہے۔ جس حد تک قران اور قدیم صحیفوں میں موافقت ہے وہ موافقت میں نے دکھا دی ہے اور جہاں فرق ہے وہاں قرآن کے بیان کی حجت و قوت واضح کر دی ہے۔ (28)

5۔ تاریخ عرب:

اس کے علاوہ تاریخ عرب سے بھی مولانا استفادہ کرتے ہیں چونکہ جہاں قرآن کریم کا نزول ہوا وہاں کی اور وہاں کے لوگوں کی تاریخ کا مطالعہ کیے بغیر قرآن کریم پر قلم اٹھانا بے علم جسارت ہوگی کیونکہ ایسی بہت سی عقود ہیں جنہیں تاریخ کی روشنی میں ہی سلجھایا جاسکتا ہے اور قرآن کریم خود بھی اس پر خاموش نہیں بلکہ عربوں اور سابقہ امتوں کی ایک پوری تاریخ کو اپنا موضوع بناتا ہے اور اسکے نتائج بھی بیان کرتا ہے۔ لیکن چونکہ تاریخ خود تضادات کا مجموعہ ہے اس لیے مولانا صاحب کے اپنے مطابق بھی انہوں نے تاریخ کے صرف وہی حوالے لیے ہیں جو قرآن سے متصادم نہیں بلکہ قرآن کریم کی تائید کرتے ہوں یا وہ جس نظم کے قائل ہیں اس سے متصادم نہ ہو۔ اس کی ایک مثال سورہ فیل کی تفسیر کی بھی دی جاسکتی ہے جو انکے قلم سے صادر ہوئی جس میں انہوں نے عام تاریخ سے ہٹ کر رائے قائم کی اور اپنے موقف کی تائید میں دلائل بھی جمع کردیئے۔

اس کے علاوہ عربی زبان جاننے والا ہر شخص جانتا ہے کہ عربی زبان میں ایک ایک لفظ کے کئی کئی معانی بھی ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً

"العلق": خون، ہاتھ سے چمٹنے والی مٹی، لٹکائی ہوئی چیز، درخت کا وہ حصہ جہاں جانور پہنچ سکیں، جونک۔(29)

اور مفسرین قرآن مجید کبھی کبھی ایک آیت کی تفسیر میں ان تمام معانی کو بیان بھی کرتے ہیں اور ان کے مابین تطبیق یا تخصیص کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ مفاہیم میں بھی اکثر ایک سے زائد آراء کو نقل بھی کرتے اور ان میں موافقت بھی پیدا کرتے ہیں لیکن تفسیر تدبر قرآن کا مطالعہ کرنے سے ایک اور بات جو سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ مولانا صاحب چونکہ نظم قرآنی کے قائل ہیں اس لیے ایک خاص آیت کی تفسیر میں متعدد معانی ومفاہیم اخذ کرنے کے قائل نہیں بلکہ کسی ایک ہی خاص معنی ومفہوم کو ہی تسلیم کرتے ہیں اور بیان کرتے ہیں۔

ان داخلی وخارجی وسائل کے بعد دو خاص اصول انکی تفسیر کا مطالعہ کرنے سے سامنے آتے ہیں۔

1۔ نسخ وحذف:

حافظ ابن کثیر نسخ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

"قَالَ ابْنُ أَبِي طَلْحَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عنهما مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ مَا نُبَدِّلْ مِنْ آيَةٍ. وَقَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ مُجَاهِدٍ مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أي ما نمحو مِنْ آيَةٍ. وَقَالَ ابْنُ أَبِي نجيح عَنْ مُجَاهِدٍ مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ قَالَ نُثْبِتُ خَطَّهَا وَنُبَدِّلُ حُكْمَهَا. حَدَّثَ بِهِ عَنْ أَصْحَابِ عبد الله بن مسعود رضي الله عنهم. وَقَالَ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ: وَرُوِيَ عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ وَمُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ الْقُرَظِيِّ نَحْوَ ذَلِكَ. وَقَالَ الضَّحَّاكُ مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ مَا نُنْسِكَ. وَقَالَ عَطَاءٌ أَمَّا مَا نَنْسَخْ. فَمَا نَتْرُكُ مِنَ الْقُرْآنِ.

وَقَالَ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ: يَعْنِي تُرِكَ فَلَمْ يَنْزِلْ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَقَالَ السُّدِّيُّ مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ نَسْخُهَا قَبْضُهَا وَقَالَ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ: يعني قبضها ورفعها، مِثْلُ قَوْلِهِ «الشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوهُمَا الْبَتَّةَ» ، وَقَوْلُهُ «لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ من ذهب لَابْتَغَى لَهُمَا ثَالِثًا» .

وَقَالَ ابْنُ جَرِيرٍ: مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ، ما ننقل مِنْ حُكْمِ آيَةٍ إِلَى غَيْرِهِ، فَنُبَدِّلُهُ وَنُغَيِّرُهُ، وَذَلِكَ أَنْ يُحَوَّلَ الْحَلَالُ حَرَامًا، وَالْحَرَامُ حَلَالًا، وَالْمُبَاحُ مَحْظُورًا، وَالْمَحْظُورُ مُبَاحًا، وَلَا يَكُونُ ذَلِكَ إِلَّا فِي الْأَمْرِ وَالنَّهْيِ وَالْحَظْرِ وَالْإِطْلَاقِ وَالْمَنْعِ وَالْإِبَاحَةِ. فَأَمَّا الْأَخْبَارُ فَلَا يَكُونُ فِيهَا نَاسِخٌ وَلَا مَنْسُوخٌ، وَأَصْلُ النَّسْخِ مِنْ نَسْخِ الْكِتَابِ وهو نقله من نسخة إلى أخرى غيرها، فَكَذَلِكَ مَعْنَى نَسْخِ الْحُكْمِ إِلَى غَيْرِهِ إنما هو تحويله ونقل عبارته عنه إِلَى غَيْرِهَا وَسَوَاءٌ نَسْخُ حُكْمِهَا أَوْ خَطِّهَا، إِذْ هِيَ فِي كِلْتَا حَالَتَيْهَا مَنْسُوخَةٌ.

وَأَمَّا عُلَمَاءُ الْأُصُولِ، فَاخْتَلَفَتْ عِبَارَاتُهُمْ فِي حَدِّ النَّسْخِ وَالْأَمْرُ فِي ذَلِكَ قَرِيبٌ، لِأَنَّ مَعْنَى النَّسْخِ الشرعي معلوم عند العلماء ولحظ بعضهم أن رَفْعَ الْحُكْمِ بِدَلِيلٍ شَرْعِيٍّ مُتَأَخِّرٍ، فَانْدَرَجَ فِي ذَلِكَ نَسْخُ الْأَخَفِّ بِالْأَثْقَلِ وَعَكْسِهِ وَالنَّسْخُ لَا إِلَى بَدَلٍ. (30)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں نسخ کے معنی بدل کے ہیں مجاہد فرماتے ہیں مٹانے کے معنی ہیں جو (کبھی) لکھنے میں باقی رہتا ہے اور حکم بدل جاتا ہے حضرت ابن مسعود کے شاگرد اور ابو العالیہ اور محمد بن کعب قرظی سے بھی اسی طرح مروی ہے ضحاک فرماتے ہیں بھلا دینے کے معنی ہیں عطا فرماتے ہیں چھوڑ دینے کے معنی ہیں سدی کہتے ہیں اٹھا لینے کے معنی ہیں جیسے آیت "الشیخ والشیختہ اذا زنیا فارجموھما البتتہ" یعنی زانی مرد و عورت کو سنگسار کر دیا کرو اور جیسے آیت "لو کان لابن ادم وادیان من ذھب لابتغی لھما ثالثا" یعنی ابن آدم کو اگر دو جنگل سونے کے مل جائیں جب بھی وہ تیسرے کی جستجو میں رہے گا۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ احکام میں تبدیلی ہم کر دیا کرتے ہیں حلال کو حرام حرام کو حلال جائز کو ناجائز ناجائز کو جائز وغیرہ امر و نہی، روک اور رخصت جائز اور ممنوع کاموں میں نسخ ہوتا ہے ہاں جو خبریں دی گئی ہیں واقعات بیان کئے گئے ہیں ان میں رد و بدل و ناسخ و منسوخ نہیں ہوتا، نسخ کے لفظی معنی نقل کرنے کے بھی ہیں جیسے کتاب کے ایک نسخے سے دوسرا نقل کر لینا۔ اسی طرح یہاں بھی چونکہ ایک حکم کے بدلے دوسرا حکم ہوتا ہے اس لئے نسخ کہتے ہیں خواہ وہ حکم کا بدل جانا ہو خواہ الفاظ کا۔ علماء اصول کی عبارتیں اس مسئلہ میں گو مختلف ہیں مگر معنی کے لحاظ سے سب قریب قریب ایک ہی ہیں۔ نسخ کے معنی کسی حکم شرعی کا پچھلی دلیل کی رو سے ہٹ جانا ہے کبھی ہلکی چیز کے بدلے بھاری اور کبھی بھاری کے بدلہ ہلکی اور کبھی کوئی بدل ہی نہیں ہوتا ہے"

مولانا اصلاحی صاحب کے نزدیک نسخ قرآن صرف قرآن کریم سے ممکن ہے اور قرآن کریم سے خارج کوئی شے اس پر اثر انداز ہو کر اسے نسخ نہیں کر سکتی کیونکہ قرآن کریم اپنے بارے میں خود بیان کرتا ہے کہ اس کی حیثیت مھیمن کی ہے اور وہ خود فرقان ہے اس لیے خود اس کے نظائر اس بات کو طے کریں گے کہ کیا شے نسخ ہو سکتی ہے اور کیا نہیں اس لیے یہ بات ان کے نزدیک بعید از امکان ہے کہ قرآن مجید کی نسخ و تنسیخ قرآن مجید کے علاوہ کوئی شے کرے۔ قرآن کریم چونکہ عربی زبان میں اور عربوں پر نازل ہوا اور وہی عرب اس کے اولین مخاطب تھے اس لیے ان کے مزاج و طبع کے مطابق ہی قرآن کریم کا نزول ہوا۔ یعنی قدیم عربوں کے ادب کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ حذف و خفائے کلام کو کلام کا حسن سمجھتے تھے بلکہ ضرورت سے زیادہ وضاحت کا برا مناتے تھے اور اسے اپنی عقل و فہم پر طعن سمجھتے

تھے۔ اور یہ قرآن مجید کے پڑھنے سے بھی بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید اپنے مخاطبین کو انکے اس مزاج کی رعایت بھی دیتا ہے اور اپنے ترکیب کلام کو اس خوبی سے مرکب کرتا ہے کہ محذوف کلام کو الفاظ نہ دیکر بھی مکمل بیان کر دیتا ہے یعنی خود ترکیب یہ وضاحت کر دیتی ہے کہ یہاں کیا ہو گا۔ مولانا اصلاحی صاحب نے خاص طور اس محذوف کلام کی گتھیوں کو اپنے ناخن تدبیر سے بہت عمدگی اور استدلال کے ساتھ کھولا ہے اور ایک ایک جگہ پر اسکی مکمل وضاحت کر دی ہے کہ کہاں کیا کب اور کیوں محذوف ہے۔ اور یہ بھی صاحب تدبر قرآن کی علمی وسعت وبصیرت کی روشن دلیل ہے۔

2۔ مخاطبین کی تعیین:

تفسیر تدبر قرآن کا مطالعہ کرنے سے ایک اور بات واضح ہو جاتی ہے کہ مولانا اصلاحی صاحب کے نظم قرآن کو خاص اہمیت دینے کے باعث آیات قرآنی میں مخاطبین کی تعیین بھی خاص انداز سے کرتے ہیں۔ یعنی کوئی آیت قرآنی یا آیات کے مجموعے میں رب کائنات کا روئے سخن کن افراد کی جانب ہے اسے بھی آخری درجے میں متعین کر دیتے ہیں۔ تا کہ ان آیات کا فہم اور مدعا کی پوری طرح وضاحت ہو جائے اور حکم کی نوعیت میں بھی کوئی ابہام واشکال باقی نہ رہے۔

اسکے علاوہ اگر مولانا اصلاحی صاحب کی طرز تحریر پر نگاہ کی جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ مولانا صاحب نہ صرف عربی زبان کے بہت اچھے عالم ہیں بلکہ اردو زبان اور اسکے اسالیب پر بھی ان کا عبور قابل ستائش وتحسین ہے۔ اور تفسیر تدبر قرآن ان کی اس صفت خاص کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مولانا صاحب نے اس تفسیر اور اسکے ترجمہ میں زبان اور تراکیب جتنی عمدگی ومہارت سے بیان کی ہیں وہ کسی ادیب کا ہی خاصہ ہوتی ہیں اور اس سے واقعتاً محسوس ہوتا ہے کہ مولانا صاحب ایک صاحب اسلوب شخصیت کے مالک ہیں جو اپنے کلام منشاء کو شستہ وعمدہ بیان دینے کا سلیقہ وہنر جانتے ہیں اور الفاظ کو نہایت خوبصورت انداز میں پرو کر قارئین کی نذر کرتے ہیں۔

خلاصہ بحث:

یہ تفسیر بلاشبہ اردو زبان کی مشہور تفاسیر میں سے ہے۔ اور اس کی انفرادیت یہ ہے اس میں قرآن کریم کی جس انداز سے تفسیر کی گئی ہے اس کی اصل بنیاد نظم قرآن مجید ہے۔ اور مولانا اصلاحی صاحب نے قرآن کریم کی فسر وشرح کرتے ہوئے احادیث، فقہ، علم الکلام اور فلسفہ سے استنباط کرنے کے بجائے قرآن کریم کے نظم، اسکی زبان اور اس کے سیاق وسباق کے مطابق قرآن کریم کے مطالب ومعانی بیان کرنے کی سعی کی ہے۔ چونکہ مولانا کے اصول تفاسیر نئے ہیں اور یہ انسانی کاوش ہے اس لیے اس کی بہت سی تحریروں، مفاہیم اور نتائج فکر سے اختلاف یا اتفاق بھی کیا جاسکتا ہے اس پر نقد بھی کی جاسکتی ہے، اس کی داد وتحسین بھی کی جاسکتی ہے اور اس سے رد وگریز کا راستہ بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔ یہی در حقیقت علمی دنیا کا خاصہ ہے کہ وہ جمود شکن ہوتی ہے اور ہر پل ارتقاء پذیر رہتی ہے اور رہے گی لیکن بہر حال یہ علمی کام اپنے تمام محاسن ومعایب کے ساتھ قرآن کریم کی تفاسیر کی دنیا میں ایک سنگ میل کی حیثیت ضرور رکھتا ہے۔

حواشی

1. سورۃ البقرۃ، آیت:23۔
2. مفتی محمد تقی عثمانی، آسان ترجمہ قرآن، مکتبہ معارف القرآن کراچی، جلد 1 صفحہ 49۔

(قرآن مجید کی آیات کے تمام تراجم کتاب ھذا سے ہی لیے گئے ہیں)

3. مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن لاہور، 1980ء، جلد 1، صفحہ 14-15
4. ایضاً، جلد 1، صفحہ 15۔
5. سورۃ المائدۃ، آیت:35۔
6. سورۃ یوسف، آیت:19۔
7. غلام احمد پرویز، لغات القرآن، طلوع اسلام ٹرسٹ، جلد 1 صفحہ 446۔
8. ایضاً، جلد 3 صفحہ 1104۔
9. القاضی ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر البیضاوی، انوار التنزیل و اسرار التاویل، دار الکتب العلمیۃ بیروت، اشاعت اول، 1420ھ-1999ء، جلد 1 صفحہ 546۔
10. محاورہ: اصطلاح میں خاص اہل زبان کے روز مرہ یا بول چال یا اسلوب بیان کا نام محاورہ ہے۔ لیکن روز مرہ اور محاورہ میں امتیاز کرنے کے لیے ایک محدود معنی مان لیے گئے ہیں۔ اب محاورہ کا اطلاق خاص کر ان افعال پر ہوتا ہے جو کسی اسم کے ساتھ مل کر اپنے حقیقی معنوں کے بجائے مجازی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً دل سے اتارنا۔

(ابو الاعجاز حفیظ صدیقی، کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد 1985ء صفحہ 168)۔

11. استعارہ: استعارہ کے لغوی معنی کسی سے کوئی چیز عاریتاً طلب کرنے کے ہیں۔ علم بیان میں استعارہ سے مراد وہ لفظ ہے جو مجازی معنوں میں استعمال ہو اور اسکے حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق ہو۔ جب شیر کہہ کر بہادر آدمی، صنم کہہ کر محبوب اور چاند کہہ کر پیامبر مراد لیے جائیں تو یہ استعارہ ہے۔ (ایضاً، صفحہ 12)۔
12. تشبیہ: تشبیہ کے اصطلاحی معنی ہیں ایک چیز کو کسی خاص صفت کے اعتبار سے کسی دوسری چیز کی مانند قرار دینا۔

تشبیہ میں مشبہ اور مشبہ بہ لازماً مذکور ہوتے ہیں۔ مثلاً۔۔۔

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے (ایضاً، صفحہ 36)

13. کنایہ: کنایہ کے لغوی معنی ہیں پوشیدہ بات کہنا۔ علم بیان کی اصطلاح میں کنایہ سے مراد ہے وہ لفظ جس کے حقیقی معنی مراد نہ ہوں بلکہ معنی غیر حقیقی (معنی مجازی) مراد ہوں لیکن اگر معنی حقیقی مراد رکھیں تو بھی جائز ہو۔ کیونکہ اس صورت میں بھی ذہن معنی غیر حقیقی تک جو مراد ہیں منتقل ہو جاتا ہے۔ مثلاً آنکھوں میں خون اترنا کنایہ ہے غیظ و غضب سے۔ (ایضاً، صفحہ 152)
14. مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن لاہور، 1980ء، جلد 1 صفحہ 17۔
15. حافظ مبشر حسین لاہوری، تفسیر میں نظم قرآن کی استدلالی حیثیت، اصول تفسیر کی روشنی میں ایک جائزہ، http://kitaben.urdulibrary.org/Pages/NazmQuran.html، تاریخ مشاہدہ: 25-9-2017۔
16. امام حمید الدین فراہی، مجموعہ تفسیر فراہی، فاران فاؤنڈیشن لاہور، طبع اول، 1412ھ-1999ء، صفحہ 31-32۔
17. ایضاً، صفحہ 32۔
18. مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن لاہور، 1980ء، جلد 1 صفحہ 25۔
19. ایضاً، جلد 1 صفحہ 26۔

20. ایضاً، جلد 1 صفحہ 27۔

21. ایضاً، جلد 1 صفحہ 28۔

22. مفتی محمد شفیع عثمانی، معارف القرآن، مکتبہ معارف القرآن کراچی، 2008ء، جلد 1 صفحہ 50۔

23. عبداللہ ابو ایمن، مراحب السنۃ الشریفۃ من حیث ثبوتھا، http://www.startimes.com/?t=31244023، تاریخ مشاہدہ 25-9-2017۔

24. مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن لاہور، 1980ء، جلد 1 صفحہ 29۔

25. ایضاً، جلد 1 صفحہ 30۔

26. امام حمید الدین فراہی، تفسیر نظام القرآن، دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ، 1416ھ-1996ء، صفحہ 35۔

27. مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن لاہور، 1980ء، جلد 1 صفحہ 32۔

28. ایضاً، جلد 1 صفحہ 33۔

29. مولانا ابو الفضل عبدالحفیظ بلیاوی، مصباح اللغات، مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور، 1999ء، صفحہ 548۔

30. ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی البصری، تفسیر القرآن العظیم، دار الکتب العلمیۃ بیروت، اشاعت اول، 1419ھ، جلد 1، صفحہ 258-259۔